اسلام کا قانون بین الاقوام: تدوین و مآخذ کا تاریخی و تحقیقی جائزہ

Islamic International Law: A Historical and Research Review of Compilation and References

Dr. Nazia Zaman [1]

Abstract:

Islamic international law is a codified system of law that governs the principles of states, nations and international relations in light of Islamic Sharia. This paper aims to present a comprehensive and research-based review of the formulation of Islamic international law, its primary sources and historical evolution. The primary sources discussed in this study include the Holy Quran, the Sunnah of the Prophet, the sayings of the Companions, jurisprudential opinions and historical treaties. Research has indicated that Islamic international law is founded on universal principles like justice, peace, tolerance and respect for human beings, which comply with many fundamental concepts of modern-day international law. This article presents an analytical study of the stages of compilation and the jurisprudential and practical developments that took place during different periods, especially the Rightly Guided Caliphate, the Umayyads, and the Abbasid era. Research has concluded that Islamic international law not only exists historically as a structured legal system but its reinterpretation in the modern era can also play an important role in resolving the moral and legal crises of international relations.

Keywords: *Islamic international law, compilation, sources, historical development, jurisprudential principles*

ا۔ تعارف

قانون بین الاقوام کے متعلق یہ تصور عام طور پہ پایا جاتا ہے کہ اس کا آغاز وارتقاء مغرب کی اقوام سے ہوا اور اس میں مسلم اہلِ علم کا کوئی کردار نہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ وہ موضوع ہے کہ جس پر مسلمانوں نے سب سے پہلے توجہ دلائی۔ کیونکہ عہدِ نبوی سے ہی ایسے قواعد و ضوابط کی تشکیل کا آغاز ہو گیا تھا کہ جن کی بنا پر ہمارے فقہاء نے مکمل قانون مرتب کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "قانون اصل میں سلطنتوں کے آپس کے تعلقات سے متعلق ہوتا ہے۔ حالتِ جنگ اور امن میں سلطنت کے باشندوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس میں دو قوموں کے تعلقات کے متعلق بحث نہیں ہوتی بلکہ دو مملکتوں کے معاملات اور مفادات سے بحث ہوتی ہے۔"[2]

---

[1]. Lecturer, Department of Islamic Studies, Fatima Jinnah Women University , Rawalpindi-Pakistan

[2]. Muhammad Hameedullah, *Muslim Conduct of State* (Lahore, Sh. Muhammad Ashraf) p.3.

قانون بین الاقوام کی لغت میں تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"*It is a body of rules established by custom treaty agreed as building by nations in their relations with one another.*"[3]

"یہ اپنی مرضی کے معاہدے کے ذریعہ قائم کردہ قواعد کا ایک ادارہ ہے جس پر قوموں کے ایک دوسرے کے ساتھ اپنے تعلقات کی تعمیر کے طور پر اتفاق کیا گیا ہے۔"

مشہور مغربی مفکر کے مطابق:

"قانون بین الاقوام مقتدر طبقات کا اپنے اوپر لاگو کردہ قانون ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر فرد پر براہِ راست اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ ریاست کے اندرونی قوانین کے ساتھ مل کر موئثر ہوتا ہے۔ قانون بین الاقوام ایسے اصولوں پر مشتمل ہے جنہیں مہذب ریاستیں باہمی تعلقات طے کرتے وقت استعمال کرتی ہیں۔"[4]

ڈاکٹر برگر قانون بین الاقوام کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"وہ قواعد و ضوابط جن کا اطلاق مقتدر ریاستوں اور بین الاقوامی اہمیت کی حامل وحدتوں پر ہوتا ہے، قانون بین الاقوام کہلاتا ہے۔"[5]

درج بالا تعریفوں کی روشنی میں قانون بین الاقوام کی تعریف کا تصور اچھی طرح سے واضح ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں کسی بھی ریاست کا تنہا اپنے وسائل پر بھروسہ کرنا ممکن نہیں۔ عالمی برادری کے اتحاد اور تعاون سے ہی ریاستوں اور اس کے افراد کے لاکھوں مسائل حل ہوتے ہیں۔ معاشی، معاشرتی، سیاسی اور تعلیمی تعاون انسانیت کو بہتر تعلقات اور امن کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لیے جدید دور میں انسانوں کا جغرافیائی حدود سے نکل کر ذہنی حدود میں داخل ہو جانا مجبوری بھی ہے اور ضرورت بھی۔

چونکہ ریاستوں کے باہمی تعلقات میں سینکڑوں مسائل اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اس لیے قانون بین الاقوام کی تعریف خواہ کچھ بھی کی جائے، اس کے دائرہ میں وہ تمام اصول و قواعد شامل ہیں جو جغرافیائی اور ذہنی حدود کی مصنوعی پابندی کے باوجود بھی عالمی سطح پر انسان کے تعلقات اور اتحاد کے لیے ضروری ہیں۔

موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو کسی بھی مملکت کے لیے تنہا اپنا نظم و نسق چلانا انتہائی مشکل ہے۔ کوئی ملک جس قدر ترقی یافتہ ہوگا، دیگر ممالک کے اس کے ساتھ اتنے ہی زیادہ روابط ہوں گے۔ چنانچہ اپنے اندرونی معاملات کو چلانے کے لیے اسے بیرونی دنیا کے ساتھ وابستہ اپنے مفادات اور تعلقات کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔ معاشرتی زندگی کے آغاز و ارتقاء پر غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں انسان انفرادی طور پر زندگی گزارتا تھا۔ ضروریات بڑھیں تو افراد نے خاندانوں کی صورت اختیار کر لی۔ بعد ازاں یہ خاندان الگ الگ قوموں میں تبدیل ہونے لگے۔ اسی طرح ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے اپنے زیر قبضہ علاقوں پر حکومتیں قائم کر لیں۔ ان حکومتوں کے مابین

3. Webster Encyclopedia New York, p. 743

4. Lauterpacht H, International Law and Human Rights (Oxford University Press, 1944)p.27.

5. Dr. Burger, Grolier Encyclopedia of Knowledge(Grolier USA, 1993) p.192.

جب جنگیں ہوتیں اور امن و صلح کی بات چلتی اور باہمی معاہدے طے پاتے تو اس بات کا پتا چلتا کہ ان معاملات میں مختلف اقوام اور ریاستوں کے درمیان ثالثی سے معاملات کو طے کیا جاتا۔ تب سیاسی پناہ کا رواج تھا۔ اگر کسی قوم یا ریاست سے کوئی شخص بھاگ جاتا تو اس کو دوسری قوم یا ریاست پناہ دیتی۔ اس کے علاوہ کسی قوم کے اپنے معاشرتی، معاشی، سیاسی اور مذہبی مسائل اور ضروریات کے پیشِ نظر دیگر اقوام کے ساتھ کچھ نہ کچھ تعلقات رکھنا پڑتے تھے اور ان تعلقات کے انضباط کے لیے چند اصول و قواعد کی ضرورت پڑتی تھی۔

دورِ جدید کے حالات و واقعات ماضی سے بہت مختلف ہیں۔ سیاسی نظریات کی پیچیدگی، فن و ادب کی ترقی، تجارتی اور سفارتی تعلقات نے پوری انسانیت کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔ اگرچہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی وجہ سے دنیا کے تمام افراد ایک دوسرے کے قریب آچکے ہیں لیکن پھر بھی معاشرتی زندگی اصول و قواعد کی پابند ہے۔ بالکل اسی طرح ریاستوں کے تعلقات اور اور باہمی حقوق و فرائض ہیں۔ ان کی روشنی میں ریاستوں کے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہر ریاست ایک آزاد اور خود مختار ادارہ ہے، اس لیے قانون بین الاقوام کی حقیقی بنیاد انسان دوستی پر قائم ہے۔ اسی کے تحت ریاستیں باہمی فلاح اور بقاء کا احترام کرتی ہیں اور باہمی اعتماد، انصاف اور صداقت کو مقدم تسلیم کرتی ہیں۔

قبل از اسلام عربوں کے ہاں بین الاقوامی امور کی انجام دہی کے لیے کچھ قوانین و ضوابط موجود تو تھے لیکن اس کے لیے ان کے ہاں کوئی الگ نظام قانون موجود نہیں تھا۔ جب مسلمانوں نے ریاست قائم کی اور اس کا ایک قانونی نظام بھی قائم ہوا تو اس نظام کے اس حصے کو جس کا تعلق جنگ، صلح اور غیر جانبداری کے معاملات سے تھا، اسے **السیر** کا نام دیا گیا۔[6] اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیگر اقوامِ دنیا کے ساتھ معاملات چلانے کے لیے جو اصول، قواعد اور ضوابط وضع فرمائے وہی ہمارے لیے اسلام کا قانون بین الممالک کا درجہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی سنن کو سب سے پہلے امام ابنِ شہاب زہری نے جمع کیا۔ بلکہ مغازی کو بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی مرتب کیا۔ امام بخاریؒ نے واقعہ افک ان سے روایت کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے متعدد روایات کو ایک ساتھ کیسے جمع کیا۔ امام زہریؒ کے شاگردوں محمد بن اسحاق بن یسار اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات اور تصانیف سے فن سیرت ایک مستقل فن بن گیا۔[7]

ابنِ حجرؒ کے مطابق پہلے مغازی کا مفہوم نسبتاً محدود تھا۔ مغازی عروۃ بن زبیر، مغازی ابان بن عثمان، مغازی محمد بن شہاب زہری، مغازی ابن اسحاق، مغازی موسیٰ بن عقبہ اور مغازی واقدی وغیرہ کتبِ سیرت ہیں۔ اور ان میں مغازی کی طرح نبی اکرم ﷺ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔[8] بایں سبب محدثین اور آئمہ رجال نبی ﷺ کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے ہیں۔ ابنِ اسحاق کی کتاب کو مغازی

---

[6] عبدالحمید احمد، ابو سلیمان، اسلام اور بین الاقوامی تعلقات (لاہور، فیمس بک سنٹر، ۱۹۹۱ء) ص: ۳۹۔

Abdul Hameed Ahmad, Abu Sulayman, *Islam aur Bain al-Aqwami Taluqat* (Lahore: Famous Book Centre, 1991), p. 39.

[7] عبدالرؤف قادری، ابوالبرکات، اصح السیر (کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء) ص: ۱۳۔

Abdul Rauf Qadri, Abu al-Barakat, *Asah al-Siyar* (Karachi: Majlis Nashriyat-e-Islam, 1981), p. 13.

[8] ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری (قاہرہ، المکتبۃ السلفیہ) ۲۷۹/۷۔

Ibn Hajar al-‘Asqalani, Ahmad bin ‘Ali, *Fath al-Bari* (Cairo: al-Maktabah al-Salafiyyah), 279/7

بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ ابن حجرؒ فتح الباری (کتاب المغازی) میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ کتب حدیث وفقہ میں بھی کتاب الجہاد کے عنوان سے جو باب باندھا جاتا ہے اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام ہی مراد ہوتے ہیں۔

۲۔اسلامی قانون کی ضرورت واہمیت:

ڈاکٹر محمود احمد غازی اسلامی قانون کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"اسلامی قانون ایک ایسا مکمل نظامِ قانون ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں اصول وہدایات فراہم کرتا ہے۔"[9]

ارشادِ ربانی ہے:

"فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔"[10]

"بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات عطا فرما۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔"

ڈاکٹر حمید اللہ قانون بین الاقوام کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ روحانی تقاضوں کی تکمیل بھی قانون پر عملدرآمد سے ہوتی ہے۔[11] چنانچہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ یہ دیگر معاملات کی طرح قومی و بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں بھی واضح رہنمائی موجود ہے۔ یہ ایک معاشرتی نظام بھی ہے جس کا اپنا ایک تصور اور نظامِ زندگی ہے۔ دورِ حاضر جو کہ نظریاتی کشمکش، تہذیبی اور ثقافتی تصادم کا دور ہے۔ اسلام ملکی پالیسیاں تعلیم اور ثقافت سے لے کر روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے تمام معاملات، افراد کی کردار سازی اور تربیت تک بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

دنیا میں سب سے پہلے ریاست وجود میں آتی ہے اور اس کے بعد اس کا قانون وضع کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں قانون پہلے وجود میں آیا اور اس کی بنیاد پر ریاست قائم ہوئی۔ اسلامی ریاست کا قانونی جواز ہی تب تک ہے جب تک کہ وہ اس قانون کو نافذ کرتی ہے بصورتِ دیگر ریاست اپنا جواز کھو بیٹھتی ہے۔ رسول ﷺ نے مدینہ تشریف لانے سے پہلے قانون کے اساسی تصورات واضح فرما دیے تھے۔ انہی اصولوں اور تصورات کی حفاظت کے لیے قانون دیا جاتا تھا اور اسی قانون کے تحفظ اور نفاذ کے لیے ریاست کے قیام کی ضرورت پیش آئی تھی۔[12]

9۔ محمود احمد غازی، اسلام کا قانون بین الممالک (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء) ص: ۸۔

Mahmood Ahmad Ghazi, *Islam ka Qanoon-e-Bain al-Mamalik* (Islamabad: Shariah Academy, International Islamic University, 2007), p. 8.

10۔ البقرۃ، ۲: ۲۰۰۔

Al Baqarah, 2:200

11. Dr. Muhammad Hameedullah, *Muslim Conduct of State*, p.129

12۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین (لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء) ص: ۸۵-۸۶۔

Islahi, Amin Ahsan, *Islami Qanoon ki Tadwin* (Lahore: Faran Foundation, 1998), pp. 85–86.

۳۔اسلامی قانون کی تدوین

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اسلامی قانون واحکام کی تدوین کا عمل شروع ہوا تو مختلف فقہاء کرام نے اسلام کے احکام مرتب کرنے اور فقہ اسلام کو ایک باقاعدہ اور مضبط قانونی طور کے عمل پر مدون کے عظیم الشان عمل کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ اسلام کے قانون ضابط، قانون مالیت، قانون دستوری وغیرہ پر الگ الگ کتابیں لکھیں جانے لگیں اور یہ احکام الگ شعبے کے طور پر مدون ہونے لگے اور یوں اسلام کا بین الاقوامی قانون وجود میں آیا۔

امام زید علیؒ سب سے پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے قانون بین الممالک کے لیے سیر کی اصطلاح استعمال کی یہ حضرت امام حسینؓ کے پوتے ہیں۔ یہ ایک نامور محدث اور فقیہ تھے اپنی کتاب "المجموع فی الفقہ" میں اس موضوع پر ایک پورا باب لکھا ہے۔ علمِ سیر کو سیر کے نام سے دوسری صدی ہجری کے ابتداء سے پہچانا جانے لگا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اسلامی قوانین تشکیل پا رہے تھے اور اسلامی ریاست کی حدود تیزی سے پھیل رہی تھیں۔ یہ وہ دن تھے جب ریاست کے تمام شعبوں کو آئے دن نت نئے قوانین کی ضرورت پڑتی تھی۔ عدالتوں، حکمرانوں، گورنروں اور سفراء کو بین الاقوامی تعلقات سے نمٹنے والوں اور ٹیکس جمع کرنے والوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی سے بحث کرنے والوں۔ غرض یہ کہ ایک فقہائے کرام سے روز ہی استفادہ کی ضرورت پڑتی رہتی تھی اور فقہائے اسلام نت نئے مسائل کا جواب تلاش کرنے کے لیے دن رات تحقیق اور اجتہاد کے عمل میں مصروف تھے۔ جس طرح شہر میں مختلف مسائل پیش آتے رہے۔ اس موضوع سے متعلق فتوے وجود میں آتے گئے۔

امام ابو حنیفہؒ نے دنیا کی تاریخ میں پہلی بار قانون بین الاقوام کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ جس کا نام کتاب سِیَر ابی حنیفہ تھا۔ اس دور میں وہ سیر ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ امام صاحب کے ایک ہزار کے قریب تلامذہ جید علماء تھے۔ ان کی رائے لینے کے بعد آخر میں امام صاحب اپنی رائے پیش کرتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنی کتاب کے نسخے تیار کروا کر تقسیم کیے۔ اس کا ایک نسخہ بیروت کے مشہور فقیہ امام اوزاعی کے پاس چلا گیا جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے پورے شام و فلسطین میں معروف تھے اور امام اہل شام کہلاتے تھے۔ اس شعبے نے مزید ترقی کی اور ارتقاء کے مراحل طے کیے تو اس میں نئی شاخیں پیدا ہو گئیں۔ آج قانون بین الاقوام کے دو بڑے شعبے مانے جاتے ہیں۔ ایک پبلک انٹرنیشنل لاء اور دوسرا پرائیویٹ انٹرنیشنل لا۔ پبلک انٹرنیشنل لا سے مراد بین الاقوامی قانون کا وہ حصہ ہیں جو قوموں کے درمیان تعلقات سے بحث کرتا ہے۔ اس کے تین بڑے حصے جنگ امن اور غیر جانبداری سے متعلق ہیں۔

پرائیویٹ انٹرنیشنل لاء سے مراد قانون بین الاقوام کے وہ حصہ ہیں جو دو ملکوں کے آپس میں لین دین، دو ملکوں کے قوانین میں تعارض یا بین الاقوامی گروہوں کے افراد کے باہمی معاملات سے پیدا ہونے والے معاملات سے بحث کرتا ہے۔ الغرض ہمارے فقہاء نے اس علم کے آغاز سے ہی جرح و تنقید سے کام لیا اور علماء کے ناقدانہ اسلوب کی وجہ سے اس فن میں اور بھی نکھار پیدا ہوا اور ترقی کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔

۴۔اسلامی قانون کے مآخذ

اسلام میں زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کی اصل اساس احکامات الٰہی ہیں۔ لہٰذا جب بھی زندگی کے کسی مسئلہ پر رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے تو اس بنیادی تصور کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اس لیے اسلامی قانون بین الاقوام کے مآخذ بھی وہی ہیں جو اسلام کے بنیادی قانون کے ہیں۔ ایک

اسلامی ریاست دوسری ریاستوں اور اس کے شہریوں سے تعلقات کی بنیاد رضائے الٰہی پر رکھتی ہے۔ اسلامی قانون کے مآخذ درج ذیل ہیں:

قرآن کریم، سنتِ رسول ﷺ، خلفائے راشدینؓ و صحابہ کرامؓ کا عمل، عام مسلمان حکمرانوں کا عمل، مسلمان ماہرین قانون کی رائے، سرکاری ہدایات، عہد نامے، ثالثی، منصفی کے فیصلے، رسم و رواج، ملکی قانون۔

اسلام کا قانون انسانی عقل پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی ناقابل تسخیر بنیادیں قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ہیں۔ دنیا کے قدیم رسم و رواج دشمن کو نہ کسی رحم کا حق قرار دیتے ہیں اور نہ ہی انہیں کوئی حقوق دیتے ہیں جبکہ اسلام کا بین الاقوامی قانون تو سارے کا سارا غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ۔"[13]

"اور مشرکوں میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے دے دو۔"

الف۔ قرآن کریم:

اسلامی قانون کا سرچشمہ قرآن مجید ہے جو رسول پاکؐ پر نازل ہوا تھا اور اس وقت سے لے کر اب تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔"[14]

"ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔"

حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جسے کروڑوں افراد دن بھر میں کم از کم پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں بڑی عمر کے لوگوں کے علاوہ نو عمر بچوں اور عورتوں کے سینے میں بھی محفوظ ہے اس کتاب کا بڑا معجزہ یہ ہے چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بھی ہمارے پاس اپنی اصل شکل و صورت میں موجود ہے۔

ب۔ سنتِ رسول ﷺ:

اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ رسولؐ کی سنت ہے قرآن پہلا ماخذ ہے اور رسول کریمؐ نے قرآن کے بعد جس چیز کے اختیار کرنے اور مضبوطی سے قائم رکھنے کا حکم دیا وہ سنت ہے۔ رسولؐ نے احکامات اللہ پر خود نبوت سے وفات تک عمل کر کے دکھایا اس میں عام زندگی کی تمام ضروریات سے لے کر جنگ میں دشمنوں سے سلوک امن پسندی و صلح کے طریقے سب ہی واضح کر دیئے گئے ہیں۔

"وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔" [15]

"رسول ﷺ تمہیں جس چیز کا حکم دیں اس کی تعمیل کرو اور جس چیز منع کریں اس سے باز رہو۔"

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[13]۔ التوبہ، ۹: ۶۔ Al Toubah, 9:6

[14]۔ الحجر، ۱۵: ۹۔ Al Hajr, 15:9

[15]۔ الحشر، ۵۹: ۷۔ Al Hashr, 59:7

"مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ-"[16]

"جس نے رسول ؐ کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔"

لہٰذا، ان کی تمام زندگی اللہ کے احکامات پر عمل کا ایک واضح ثبوت ہے جس کا اتباع بھی قانون کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے۔

ج۔ خلفائے راشدینؓ و صحابہ کرامؓ کا عمل:

اگرچہ خلفائے راشدینؓ نے ریاستوں سے تعلقات کے سلسلہ میں قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کی اور اپنی طرف سے کوئی طرز عمل اختیار نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر وہ کوئی طرز عمل اختیار کرتے تو وہ دینی احکام کی روشنی میں ہوتا۔ کیونکہ خلفائے راشدینؓ کو قرآن و سنت کے بعد مستند ماہرین قانون سے بھی زیادہ معتبر تصور کیا جاتا ہے اس لیے خلفائے راشدینؓ کے طرز عمل کو بھی اسلامی قانون کا ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَصحابِی کالنُّجوم، باَیِّھِم اِقتدَیتُم اِھْتَدیتُم-"[17]

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان کی اقتدا کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔"

چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر صحابہ کرام کا عمل بھی ہمارے لیے ایک حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

د۔ عام مسلمان حکمرانوں کا عمل:

عام مسلمان حکمرانوں کو اگرچہ وہ مقام حاصل نہیں ہے جو خلفائے راشدینؓ کو تھا۔ تاہم ضروری معاملات میں قرآن و سنت اور خلفائے راشدینؓ کی پیروی میں ان کا طرز عمل بھی قابل قبول ہے۔ عباسی اور اموی خلفاء کے علاوہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور ہندوستان میں اورنگزیب کا نام لیا جاسکتا ہے۔ ان کے طرز عمل میں قرآن و سنت اور خلفائے راشدینؓ کی مکمل پیروی اور پیش آمدہ حقائق پر عمل درآمد کا حل شامل ہیں۔

ر۔ مسلم ماہرین قانون کی رائے:

ماہرین قانون کی رائے اجماع اور قیاس کی صورت میں ہوتی ہے۔ مسلمان ماہرین قانون اجماع کو ایک اہم ماخذ قانون کہتے ہیں کسی شرعی معاملہ پر اس دور کے تمام مستند مسلمان مجتہدین کا اتفاق کر لینا اجماع کہلاتا ہے۔ اجماع امت کو دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی ریاست کے وسیع تر ہو جانے سے کچھ ایسے مسائل پیدا ہوئے جن کے بارے میں نہ تو قرآن و سنت سے واضح دلیل ملتی ہے اور نہ اجماع امت ممکن ہے اس لیے فقہاء اور مجتہدین نے اس بارے میں قیاس کو جائز قرار دیا یوں قیاس کو اسلامی قانون کی دلیل سمجھا جانے لگا۔ اس کے علاوہ مسلمان محققین کی کتب جن میں فلسفہ، فقہ، سیاست، معاشرت اور دیگر ریاستوں سے تعلقات کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔

س۔ سرکاری ہدایات:

مختلف سرکاری وفود، سفیروں، سپہ سالاروں، ایلچیوں، وفود اور دیگر سفارتی نمائندوں کو ریاستوں کی جانب سے جو ہدایات دی جاتی ہیں یہ

---

[16]۔ النساء، ۴: ۸۰۔
An Nisa, 4:80

[17]۔ دار قطنی، ابوالحسن علی بن عمر، السنن (بیروت، موسستہ الرسالہ) ۴/۱۵۴، رقم الحدیث: ۱۷۷۸۔
Dar Qutni, Abu al-Hasan ‘Ali bin ‘Umar, *Al-Sunan* (Beirut: Mu’assasat al-Risalah), 4/154, Hadith no. 1778.

ہدایات رسولؐ سے لے کر آج تک دی جاتی ہیں۔ان میں بہت سی ہدایات موجودہ قانون کی نسبت سے نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔یہ ہدایات بعض اوقات خفیہ نوعیت کی بھی ہوتی ہیں اور اسلامی قانون کا ایک اہم ماخذ ہے۔[18]

ص۔عہد نامے:

عہد نامے اسلامی قانون کا اہم ماخذ شمار کئے جاتے ہیں۔بعض عہد نامے بین الریاستی اور بعض بین الاقوامی ہوتے ہیں۔ان عہد ناموں میں فریقین بین الاقوامی تعلقات میں بعض ذمہ داریاں قبول کرتے ہیں۔اسلامی قانون میں بین الاقوامی عہد ناموں کے بارے میں مختلف قواعد و ضوابط ملتے ہیں۔اسلامی ریاست دوران جنگ یا دوران امن باہمی تعلقات کے لیے دوسری ریاستوں سے عہد نامے کر سکتی ہے۔یہ عہد نامے بھی اسلامی قانون کا ماخذ ہیں۔

ط۔ثالثی یا منصفی کے فیصلے:

ریاستوں کے درمیان کسی اختلاف یا تنازعہ کا جو حل ثالثی یا منصفی کے فیصلوں سے طے ہو وہ بھی قانون بین الاقوام کا ماخذ ہیں۔یہ فیصلے غیر جانبدار افراد کی طرف سے ہوتے ہیں۔تاہم اس سلسلہ میں اسلامی شریعت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور صرف ان فیصلوں کو قانون کی حیثیت دی جاتی ہے جو حق اور انصاف پر مبنی ہوں۔[19]

ع۔رسم و رواج:

اسلامی قانون میں رسم و رواج کا جواز یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے عرب سے نکل کر چاروں طرف اسلامی ریاست کو پھیلانا شروع کر دیا تو ایک طرف سپین دوسری طرف افریقہ اور تیسری طرف چین کی طرف پیش قدمی کے دوران کئی قوموں اور ان کے رسم و رواج سے اسلامی فوج اور مسلمان حکمرانوں کا واسطہ پڑا۔حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں کسی سلطنت کی فتح کے بعد وہاں کے مقامی قوانین اور رسم و رواج کو ختم نہیں کیا گیا تھا۔اس طرح کے باہمی ملاپ سے کئی تبدیلیاں آئیں۔حج بھی باہمی میل جول کا ایک ذریعہ ہے۔وہ تمام چیزیں جو بنیادی طور پر اسلامی نظریہ حیات کی مخالفت میں نہیں آتی تھیں اور زندگی کے عام تسلسل میں مخصوص مقام رکھتی تھیں۔اختیار کر لی گئیں ان کی تبدیلی و عادات میں اعتدال سے اسلامی قانون کے ماخذوں کی راہ ہموار ہونے لگی اس لیے ماخذ کی حیثیت سے بھی ان کا بھی ایک مقام ہے۔

ف۔ملکی قانون:

اسلامی قانون بین الاقوام دراصل ملکی قانون کا ہی حصہ ہے تاہم یہ ملکی قوانین سے مختلف ہے کیونکہ اس کا تعلق دوسری ریاستوں سے تعلقات میں قواعد و ضوابط سے ہے۔ان قواعد اور ملکی قانون میں خاصا فرق ہے۔[20] ملکی قوانین بعض اوقات بین الاقوامی نوعیت کے ہوتے ہیں مثلاً نبی

---

[18]۔ صبحی محمصانی، ڈاکٹر، فلسفہ شریعتِ اسلام، مترجم: محمود رضوی (لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۴ء) ص: ۱۶۰- ۱۶۳۔

Subhi Mahmasani, Dr., *Falsafah-e-Shari'at-e-Islam*, trans. Mahmood Rizvi (Lahore: Majlis Taraqqi-e-Adab, 1994), pp. 160–163.

[19]۔ تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، طبع چہارم ۱۹۸۶ء) ص: ۲۱۵-۲۲۲۔

Taqi Amini, *Fiqh Islami ka Tareekhi Pas-e-Manzar*, (Karachi: Qadimi Kutub Khanah, 4th ed.1986) pp. 215–222

[20]۔ ایضاً، ص: ۲۲۳-۲۲۸۔

ibid, p.223-228

اکرم ﷺ کا یہ حکم کہ غیر مسلموں کو عربیہ سے نکال دیا جائے یا غیر مسلموں کو حرم میں داخلہ کا حق نہیں ہے۔ قانون بین الاقوام کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔

نتیجہ بحث:

اسلامی قانونِ بین الاقوام اپنی اساس میں ایک جامع اور ہمہ گیر نظام ہے جو عدل، مساوات، امن اور انسانی احترام کے اصولوں پر مبنی ہے۔ اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے ایسے ضوابط متعین کیے جن میں دشمن اقوام کے ساتھ بھی انصاف اور رواداری کا پہلو نمایاں ہے۔ سیر، جہاد، معاہدات اور صلح کے قرآنی و نبوی اصول نہ صرف ابتدائی اسلامی ریاستوں کے لیے رہنما ثابت ہوئے بلکہ آج کے جدید عالمی نظام کے لیے بھی قابلِ تقلید ہیں۔

اسلامی فقہاء نے ابتدائی صدیوں میں اس قانون کو علمی و عملی بنیادوں پر مدوّن کر کے دنیا کے سامنے ایک منظم قانونی ڈھانچہ پیش کیا، جس نے بعد میں مغربی قوانین پر بھی اثرات مرتب کیے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام زہریؒ اور دیگر فقہاء کے علمی کارنامے اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام کا قانونِ بین الاقوام محض نظریاتی نہیں بلکہ عملی اور انسانی ضرورتوں پر مبنی ہے۔

موجودہ دور میں جب دنیا شدید سیاسی و اخلاقی بحرانوں سے دوچار ہے، اسلامی قانونِ بین الاقوام کی از سرِ نو تعبیر اور اطلاق نہ صرف مسلم ممالک بلکہ پوری انسانیت کے لیے عدل و امن کے قیام کی ضمانت بن سکتا ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جو اسلام نے عالمی تعلقات میں انسان دوستی، انصاف اور اخلاقی توازن کے ذریعے پیش کیا، ایک ایسا پیغام جو آج کے عالمی نظام کے لیے بھی رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔